خطبات متعلق کارنامۂ حسینی و مجاہدۂ کربلا

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

زندۂ جاوید کا ماتم

(احاطہ ممتاز محل ۱۱/۱ کتوبر ۱۹۵۴ء مطابق ۱۲/صفر ۱۳۷۴ھ کی تقریر)

اقبال سہیل کا اعتراض مشہور ہے کہ

روئیں وہ جو قائل ہوں ممات شہدا کے
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

اس کا تجزیہ کیا جائے تو کیا ہوگا؟ غور کیجئے کہ یہ ممات اور حیات جو شہداء کے لئے مورد نفی و اثبات ہو سکتی ہے کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ شہداء کی زندگی وہ مادی زندگی نہیں ہے جس لحاظ سے قبل شہادت انھیں زندہ کہا جاتا تھا اور جو ظاہری طور پر اس دار دنیا سے متعلق ہوتی ہے اس لئے کہ شرع اسلامی میں شہداء کی میراث تقسیم ہوتی ہے۔ ان کے اطفال حکم یتیم کی اور کی ازواج حکم بیوہ میں ہوتی ہیں۔ اگر ان کے لئے موت کا تصور کسی حیثیت سے کیا نہ جائے تو ان کے متروکہ کی تقسیم ان کی اولاد کی یتیمی اور ان کے ازواج کی بیوگی بالکل بے بنیاد ہوگی۔ ہمارے مذہبی نقطہ نظر سے شہید اگر امام ہے تو اس کے بعد دوسرا امام برسر اقتدار آجاتا ہے حالانکہ حیات ظاہری میں ایک امام کے ہوتے ہوئے دوسرا امام حامل منصب نہیں ہوتا بیوہ کے لئے عقد ثانی کی اجازت جس طرح شوہر کی موت کے بعد ہے اسی طرح شہادت کے بعد حالانکہ زندگی میں یہ ممکن نہیں۔ احکام اموات میں صرف غسل وکفن شہید کے لئے نہیں ہے۔ نماز میت اور دفن لازم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا بھی تعلق موت کے ساتھ ہے زندگی کے ساتھ نہیں۔

جب کہ شہداء کی زندگی اس نوعیت کی نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ زندگی جسے شہداء کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ ارتقائے روحانیت کا کوئی خاص درجہ ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اولیائے الٰہی میں سے کسی کے لئے بھی اگرچہ اصطلاحی طور پر شہید نہ ہو تو موت نہیں ہے۔ بلکہ جاودانی زندگی ہے جس کے مراتب باعتبار مراتب تقرب الٰہی مختلف ہوں گے۔ پیغمبرؐ خدا کی متفقہ حدیث ہے مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَہِیْدًا۔

بے شک فقہی حیثیت سے احکام شہید یعنی غسل وکفن کا ساقط ہونا۔ یہ معرکۂ جنگ میں شہادت پانے والے کے ساتھ مخصوص ہیں مگر مرتبۂ شہادت کا حصول بقدر ایمان ہر مومن کے لئے ہے۔ پھر جب ہر مومن بقدر ایمان مردہ نہیں تو انبیاء ومرسلین کا کیا تذکرہ چنانچہ سوائے نجدی عقیدہ والے وہابیوں کے اور تمام مسلمان حیات پیغمبرؐ خدا کے قائل ہیں۔ خود حضرت کی حدیث ہے کہ ''میری وفات کے بعد مجھ پر اسی طرح سلام کرنا جیسے زندگی میں کیوں کہ سلام تمہارا دونوں حالتوں میں مجھے یکساں طور پر پہنچے گا۔''

بعض علمائے اسلام نے اسی لئے روضۂ رسولؐ کے پاس بلند آواز سے بات کرنے کو منع کیا اور کہا قرآن مجید میں ہے: لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ۔ اس حکم کی تعمیل جس طرح اس وقت تھی اسی طرح اب ہونا چاہئے اس لئے کہ رسولؐ زندہ ہیں اور ہماری آواز سنتے ہیں۔

اب مذکورہ بالا شعر کے مضمون پر غور کیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ جو زندۂ جاوید ہو اس کا ماتم نہیں کرنا چاہئے اور یہ پہلے بیان ہو چکا کہ زندگی جاوید حسن عمل سے وابستہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماتم کے قابل ان کی موت ہے جو انتہائی بداعمال ہوں اور حسن اعمال رکھنے والوں کا ماتم نہیں کرنا چاہئے۔

اب جب کہ اس شعر سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے تو آیئے اسے قرآن کے سامنے پیش کریں کیونکہ کہنے والا بظاہر مسلمان ہے اور اس نے جو کہا ہے وہ صرف شاعرانہ انداز میں نہیں ہے جسے تبسم زیرلب کے ساتھ صرف اس کے شاعرانہ کیف کو محسوس کر کے نظرانداز کر دیا جائے۔ بلکہ اس نے منطقی انداز میں صغریٰ اور کبریٰ مرتب کر کے ایک نتیجہ نکالا ہے جس سے ایک پوری قوم کے طرز عمل پر اعتراض مقصود ہے۔

آیت قرآن مجید کی سامنے ہے اس موقع کی جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو ارشاد ہوا ہے:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ۔ ''نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین نے گریہ کیا۔ اور نہ انھیں اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی'' ظاہر ہے کہ یہ کنایہ ہے۔ جس سے ان کی بداعمالی کا اظہار مقصود ہے۔ کنایہ میں کسی حقیقت کے آثار ولوازم کا تذکرہ کر کے ذہن کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ اس کی ضد کے لوازم کو بیان کیا جائے۔ مثلاً یہ بتانا ہو کہ صبح ہو گئی، تو یہ کہیں گے کہ روشنی ہو گئی یہ نہیں کہیں گے کہ اندھیرا ہو گیا جو کہ شام کے لوازم میں سے ہے۔ رات کی شدت دکھانا ہو تو کہیں گے کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا۔ جو ظلمت کے اظہار میں مبالغہ ہے۔ اب دیکھئے شاعر کا نظریہ یہ تھا کہ رونا اسے نہیں چاہئے جو خوش اعمال ہو بلکہ اسے رویا جائے جو بداعمال ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ بداعمالی کا نتیجہ ہے استحقاق گریہ، خوش اعمالی کا نتیجہ نہیں ہے۔ مگر قرآن بداعمالی کے اظہار میں کہہ رہا ہے:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ۔

ان پر آسمان وزمین نے گریہ نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی نقطۂ نظر سے بداعمالی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان پر نہ رویا جائے۔ اس کے بالمقابل جو حسن عمل رکھنے والے ہوں۔ وہ مستحق گریہ ہوں گے اب جتنا بلند مرتبہ انسان ہو جتنا مرکز فیوض وبرکات زیادہ ہو وہ دنیا سے اُٹھے تو اس کا اٹھنا گریہ وماتم کا باعث ہوگا۔ یوں تو عموماً آسمان وزمین کی طرف گریہ کی نسبت بطور مجاز عقلی ہوسکتی ہے۔ جیسے وسائل القریۃ یعنی اہل القریہ۔ ہماری روزمرہ میں پورا شہر گواہ ہے۔ یعنی اہل شہر، اسی طرح آسمان وزمین روتے ہیں یعنی اہل آسمان وزمین، مگر اٹھنے والے کی پیش خدا شخصیت کے لحاظ سے کبھی یہ مجاز حقیقت بھی بن سکتا ہے یعنی مرنے والا جو دنیا سے اٹھا تو واقعی وہ زمین روئی اور آسمان نے گریہ کیا۔ پھر اگر زندہ جاوید کو آسمان وزمین گریہ کر سکتے ہیں جن کا کوئی فعل ارادۂ باری کے بغیر نہیں ہوسکتا تو اس کا انسان بھی ماتم کریں۔ تو یہ مرضی الٰہی کے مطابق ہوگا۔

پھر اب یہ دیکھئے کہ شہداء کے زندہ جاوید ہونے کا علم ہم کو کس کے ذریعہ سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے ذریعہ سے، پھر اس زندگی کے تقاضوں سے ہم زیادہ واقف ہوں گے یا پیغمبرؐ اسلام؟ اب تاریخ اسلام پر نظر ڈالئے۔ بتایئے جناب

حمزہ ابن عبدالمطلبؑ شہید تھے یا نہیں؟ یقیناً شہید اور ایسے شہید کہ پیغمبرؐ خدا نے سید الشہداء کا لقب دیا۔ تو پھر زندہ جاوید ہونے میں کیا شبہہ مگر حمزہؑ کی شہادت کے بعد کیا ہوا، غم کیا گیا یا خوشی۔ آنسو بہائے گئے یا قہقہے لگائے گئے۔ یاد رکھئے کہ سنت وہی ہے جس کی نظیر عمل رسولؐ میں ہو۔ اور بدعت وہ ہے کہ جو عمل رسولؐ کے خلاف ہو۔ اگر حمزہ کی شہادت پر رسولؐ اللہ ہنسے ہوتے تو رونا بدعت ہوتا لیکن اگر رسولؐ روئے ہیں تو پھر کسی شہید پر رونا بدعت نہ ہوگا، خوشیاں کرنا ہی بدعت قرار پائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب جناب حمزہ کی شہادت ہوگئی ہے اور صفیہ خواہر حمزہ بھائی کی خبر سن کر میدان احد کی طرف روانہ ہوئیں اور رسولؐ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ کہ صفیہ آ رہی ہیں۔ تو پہلے آپ نے حضرت علیؑ بن ابی طالب سے فرمایا کہ جلدی حمزہ کی لاش کو چھپائیں تا کہ بہن کی نظر بھائی کے جسد عریاں پر نہ پڑے۔ حضرت علیؑ نے جا کر اپنی عبا لاش جناب حمزہ پر ڈالی مگر جناب حمزہ قدآور تھے۔ پاؤں کھلے رہ گئے۔ تو آپ نے گھاس صحرا کی جمع کر کے پیروں کو مخفی کیا۔ اتنی دیر میں صفیہ پہنچ گئیں۔ لاش برادر پر گریہ شروع کیا اس موقع پر یہ نہیں ہوا کہ رسول صفیہؑ کو منع فرماتے اور ارشاد کرتے کہ تمہارے بھائی زندہ جاوید ہیں۔ زندۂ جاوید کا ماتم کیوں کرتی ہو۔ بجائے اس فرمانے کے خود آپ صفیہ کے ساتھ رونے میں شریک ہو گئے۔ اور تاریخ میں یہ فقرہ ہے کہ:

یبکی کلّما بکت صفیة ونشج کلّما نشجت صفیة۔

نشج کے معنی عربی میں روتے روتے ہچکیاں بندھ جانے کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ جتنا جتنا صفیہ روتی تھیں۔ اتنا اتنا رسولؐ گریہ فرماتے تھے۔ یہاں تک جب صفیہ کی روتے روتے ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ تو خود پیغمبرؐ کی بھی یہی حالت تھی۔ اب بتایئے زندہ جاوید کا ماتم ہوتا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد جب حضرت مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور مسجد کی طرف جاتے ہوئے سنا کہ انصار کے گھروں میں رونے کی صدائیں بلند ہیں۔ ان عزیزوں کے غم میں جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے تو حضرت نے فرمایا: اَمَّا عَمِّیْ حَمْزَہ فَلاَ بَوَاکِیَ لَهٗ ''افسوس میرے چچا حمزہ پر رونے والیاں کوئی نہیں'' چونکہ جناب صفیہ اپنے گھر میں اکیلی تھیں۔ مثل مشہور ہے ''اکیلا آدمی نہ روتا بھلا نہ ہنستا'' وہ تھوڑی دیر رو کر چپ ہوگئی تھیں حضرت نے یہ کلام حسرت آمیز فرمایا تو اس کی اطلاع خواتین انصار تک پہنچ گئی۔ وہ اسے سن کر خانۂ جناب حمزہؑ میں آگئیں اور حمزہ کا ماتم برپا ہوگیا۔ یہ زندہ جاوید کا ماتم کس نے برپا کرایا، رسولؐ اللہ نے۔ اب کسی مسلمان کو اختیار ہے کہ وہ اس ماتم کو اچھا سمجھے یا برا؟

جناب جعفر طیار بھی شہید ہوئے۔ موتہ میں ان کے دونوں ہاتھ قلم ہوئے۔ پیغمبرؐ خدا نے منبر پر اپنے خطبہ میں ان کی خبر شہادت مسلمانوں کو سنائی۔ جو خانۂ سیدہ عالمؑ میں بھی پہنچ گئی۔ جب حضرت تشریف لائے تو دیکھا فاطمہؑ زہرہ رو رہی ہیں۔ رسولؐ نے انھیں بھی نہیں فرمایا کہ جعفر زندہ جاوید ہیں، روتی کیوں ہو بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا:

عَلٰی مِثْلِ جَعْفَرٍ فَلْتَبْکِ الْبَوَاکِیْ ''جعفر ایسے آدمی پر رونے والوں کو رونا ہی چاہئے''

لیجئے جناب رسولؐ نے ایک عام اصول کا اعلان کر دیا۔ اگر کہا ہوتا کہ جعفر پر ضرور رونا چاہئے۔ تو وہ ایک حکم جزوی ہوتا۔ اسے صرف بحیثیت نظیر پیش کیا جا سکتا تھا۔ مگر علیٰ مثل جعفر جعفر ایسے آدمی پر یہ تو ایک کلی اصول ہے۔ ایک اصول

معیار ہے۔ اب جعفر ایسے کی لفظ کی ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ایسے صاحب اوصاف شخص پر تب بھی ثابت ہوگا کہ حسن اعمال کا نتیجہ ہے استحقاق گریہ جو قرآن کی آیت کے بالکل مطابق ہے۔ اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جس کو اس طرح موت آتی ہو جیسے جعفر کو آئی۔ یعنی راہ خدا میں شہید ہوا ہو۔ تب تو صاف صاف یہ اس اصول کا اعلان ہے کہ زندہ جاوید ہی کا ماتم کیا جانا چاہئے۔ اب کس مسلمان کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کہے ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے۔ وہ جب یہ کہتا ہے تو پیغمبرؐ خدا کے ارشاد سے بغاوت کا اعلان کرتا ہے۔ جو اگر سمجھ بوجھ کر ہے تو یقینا دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے لئے کافی ہے۔

اپنے مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں اگر ہم ایک شعر کی شکل میں اقبال سہیل کا جواب دینا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں:

کیا روؤ گے ان کو جو ہلاک ابدی ہیں
کیوں زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(یعنی) قرآن اور حدیث تو یہی کہہ رہے ہیں کہ زندہ جاوید کا ماتم کرنا چاہئے۔

اب اگر کچھ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو وہ ان کا ماتم کریں جنھیں ہلاکت ابدی نصیب ہوئی ہے مگر ان کا ضمیر بھی شاید اس کو پسند نہ کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ رونا بزدلی کی نشانی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کسی خطرناک معرکہ میں موجود رہ کر خطرہ کے احساس سے رونا بزدلی قرار پا سکتا ہے۔ مگر کسی خطرناک جہاد میں عدم شرکت پر رونا عین بہادری وشجاعت ہے۔ یاد رکھئے کہ کربلا کے مجاہدین زخم کھاتے اور اپنا خون بہاتے ہوئے گریہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہاں تو بریر اور عبدالرحمن آپس میں مزاق کرتے نظر آتے ہیں۔ وہاں تو عباسؑ اور علی اکبرؑ کا کیا ذکر شیرخوار علی اصغرؑ تک مسکراتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔

ہاں عباسؑ نہیں روئے۔ اور علی اکبرؑ نہیں روئے کیونکہ انھیں خوں افشانی کا موقع مل گیا۔ مگر زین العابدینؑ عمر بھر روئے۔ کیونکہ حکمت ربانی نے ان کو اس قربانی میں شہید ہو کر شرکت سے مجبور بنا دیا تھا۔

ہماری بھی اگر قسمت یاوری کرتی کہ اس قربانی میں عملی حیثیت سے شریک ہوتے تو پھر خوں افشانی کرتے۔ اشک افشانی نہ کرتے۔ یہ اشک افشانی تو اس پر ہے کہ اس سعادت کو حاصل نہ کر سکے۔ اب اگر اس قصور کے ساتھ یہ آنسو بہائے جا رہے ہیں تو ان سے ہمت میں کمزوری پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا عملی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں آرزو رہے۔ اور بے چینی سے انتظار کہ اب جو نصرت دین کا عملی موقع ہمیں دستیاب ہو سکے۔ اس میں اپنی ممکن اور محل قربانی سے دریغ نہ کریں۔

❁❁❁

حوزۂ علمیہ حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ اور دار التبلیغ حضرت جون علیہ السلام میں داخلہ ٹسٹ

۲۸/اپریل ۲۰۰۹ء کو قائد ملت مولانا کلب جواد نقوی صاحب دبیر کل مجلس علمائے ہند، مولانا سید ابن حیدر صاحب قبلہ، مولانا ابن علی واعظ صاحب قبلہ اور مولانا نثار احمد زین پوری صاحب قبلہ کے زیر نگرانی حوزۂ علمیہ حضرت غفران مآبؒ اور ۲۹/اپریل ۲۰۰۹ء کو دار التبلیغ حضرت جونؑ (برائے تربیت مبلغین) کا صبح دس بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک تحریری اور تقریری اختبار ہوا۔ ڈاکٹر رضا حسین رمز صاحب اپنی علالت کی وجہ سے اختبار میں شریک نہ ہو سکے جن کی کمی کافی محسوس کی گئی۔ الیکشن کی وجہ سے لکھنؤ کے علاوہ دوسرے شہروں کے طلاب کے داخلے کے لئے ہونے والے اختبار کی آئندہ تاریخ ۲۱ و ۲۲ مئی ۲۰۰۹ء ہوگی۔